قابل صد افتخار ہے نیک بخت و بلند ہمت عالیجناب شیخ یاور حسین صاحب جعفری مالیگاؤں کی ذات گرامی، کہ آپ نے دارالاشاعت انجمن مظلومیہ کو اس کتابچہ کی اشاعت کے تمام اخراجات مرحمت فرمائے۔ خداوند عالم دنیا و آخرت میں موصوف مدظلہٗ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

مومنین دارالاشاعت کے دوسرے کتابچوں کا انتظار فرمائیں۔ فقط

ظہیر الحسن سکریٹری

انجمن مظلومیہ، پورہ معروف

ڈاکخانہ کرتھی جعفر پور ضلع اعظم گڈھ۔ یوپی

باسمہ سبحانہٗ

عرضِ حال

یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۲ء کو مدرسۃ الواعظین میں جب مولوی ابن حسن صاحب املوی، مولوی محمد داؤد صاحب املوی اور میں ایک ساتھ شعبۂ تعلیم جماعتِ اولیٰ میں داخل ہوئے۔ اسی وقت سے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ اس مرکزی تبلیغی ادارہ میں آنے کے بعد ہمارے کیا فرائض ہونے چاہئیں۔ اسی جذبہ کے تحت اس سلسلہ میں مواد جمع کرتا رہا جس کا نمونہ جریدۂ الواعظ والجواد میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

استاذ الواعظین علامہ ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی زیرِ تربیت تعلیم مکمل کر کے جب شعبۂ تبلیغ میں آئے تو ذمہ داری کا احساس اور بڑھا، لیکن ابھی فرائضِ تبلیغ کے ہدایات سے کماحقہٗ آگاہ بھی نہیں ہو سکے تھے کہ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء کو شفیق استاد علامہ نونہروی کا سایۂ عاطفت ہمارے سر سے اٹھ گیا جس کے باعث کچھ باتیں تفصیل طلب رہ گئیں۔

بہرحال دور طالب علمی کے خیالات و احساسات کو کتابی شکل دے کر خدمت دین و دیانت کا شرف حاصل کرنا چاہوں گا

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس کتابچہ کو علامہ نونہردی اعلی اللہ مقامہٗ کی ذات گرامی سے معنون کرتے ہوئے اپنی کوتاہ نظری پر طالب عفو ہوں گا۔

فقط

والسلام مع الاکرام

تفضل مہدی صدر الافاضل واعظ

بسمہ سبحانہ

تقریظ

صحیح راستہ پر چلنا اور دوسروں کو بھی صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دینا بس یہی حاصلِ حیات بشری ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا۔ اور اپنے مساعی جمیلہ کو اسی راہ پر صرف کر کے خود مرحمت نظر باری تعالیٰ کا استحقاق پیدا کیا، اور دوسروں کے لئے بھی نجات و فلاح کی ممکن صورتیں مہیا کر دیں۔ اسی حزب الٰہی کے ایک نوجوان سپاہی فاضل لوذعی مولوی تفضل مہدی سلمہ اللہ القوی واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ بھی ہیں۔ جنہوں نے رسالہ "السبیل" لکھ کر سب سے پہلے اپنی صنف کے لئے "راہ تذکر" پیدا کی ہے اور درست بھی یہی ہے کہ انسان پہلے اپنی اصلاح کرے تاکہ اس کی رہنمائی ثمر بخش ہو سکے۔ ناچیز نے اس رسالہ کو شروع سے آخر تک دیکھا ہے پہلے سبیل کی توضیح آیات قرآنی کی روشنی میں نہایت سلیقہ سے کی ہے، پھر آداب واعظ کو بھی قرآنی نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ بعد ازاں موعظۂ حسنہ کی اہمیت پر اثر خیز تبصرہ فرمایا ہے۔ درمیان میں آیۃ اللہ آقائی خمینی مدظلہ، کے بعض

ارشادات کو بھی شامل کیا ہے، پھر موعظہ کے وجوب اور اس کے متعلقات پر احادیث وغیرہ سے پوری روشنی ڈالی ہے ـــــ غرضیکہ مجموعی طور پر یہ رسالہ ہمارے نوخیز واعظین کرام بلکہ اگر پڑھیں اور اثر لیں تو سابقین عظام کے لئے بھی مفید ہے یہ ضرور ہے کہ مولف موصوف کی یہ پہلی کاوش فکر ہے۔ لہذا آیات و احادیث کے علاوہ جہاں خود بطور موعظہ کچھ لکھا ہے وہ اذہان عالیہ پر گراں ہو اور طرز ادا اور طرز استدلال میں ممکن ہے ان کو نقص محسوس ہو مگر یہ سمجھ کر کہ موعظہ ہے انگیز کرنا چاہیئے۔

ہماری دعاء ہے کہ باصلاحیت مؤلف کو رب قدیر مزید موقع مرحمت کرے کہ وہ نشر معالم دین میں تقریر و تحریر ہر رخ سے متوجہ رہیں۔ اور ساتھ ہی ان کے لئے بھی دعائے برکت ہے جو ان مفید رسالوں کی طباعت میں ممد و معاون ہوں۔ فقط

دعاء گو ظفر الحسن بقلمہ

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(۱) اہل کتاب سے خطاب راہ خدا سے کیوں روکتے ہو۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ۔

ترجمہ۔ اے رسول کہہ دو کہ اے اہل کتاب دیدہ و دانستہ خدا کی راہ میں کجی ڈھونڈھ کے ایمان لانے والوں کو ان سے کیوں روکتے ہو۔

(۲) سبیل الٰہی میں مرنا مال و دولت سے بہتر ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ط

ترجمہ۔ اگر تم فی سبیل اللہ مارے جاؤ یا اپنی موت سے مر جاؤ۔ تو بیشک خدا کی بخشش اور رحمت اس سے جسے تم جمع کرتے ہو (یعنی مال و دولت سے) بہتر ہے۔

(۳) فی سبیل اللہ مرنے والے زندہ ہیں۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا

بَلْ اَحْیَاءٌ۔

ترجمہ۔ جو خدا کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں مردہ ہرگز نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔

(۴) ایمان بدلنے پر گمراہی۔

وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِیْلِ

ترجمہ:۔ جس شخص نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا وہ تو یقینی سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

(۵) راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والے کا حشر

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔

ترجمہ:۔ سبیل الٰہی میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ (جان) ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(۶) راہ خدا پانے کے بعد

اِنَّا ھَدَیْنَاہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا

ترجمہ:۔ ہم نے سیدھے راستہ کی ہدایت کر دی، اب وہ خواہ شکر گذار رہے خواہ ناشکرا۔

(۷) آداب موعظہ۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ۔

ترجمہ:۔ اے رسول آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت دیں اور ان سے اس ترکیب سے مباحثہ کریں جو احسن ہو۔

اس آخری ساتویں آیت میں موعظہ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو سبیل الٰہی کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

جناب صادق آل محمد سے موعظہ حسنہ کی تعریف میں وارد ہوا ہے کہ "اَحْسَنُ الْمَوْعِظَۃِ مَالَا تَجَاوَزَ الْقَوْلُ حَدَّ الصِّدْقِ۔ وَالْفِعْلُ حَدَّ الْاِخْلَاصِ فَاِنَّ مِثْلَ الْوَاعِظِ وَالْمُتَّعِظِ کَالْیَقْظَانِ وَالرَّاقِدِ فَمَنِ اسْتَیْقَظَ عَنْ رَقْدِ غَفْلَتِہٖ وَمُخَالِفَاتِہٖ وَمَعَاصِیْہِ صَلُحَ اَنْ یُّوْقِظَ غَیْرَہٗ مِنْ ذٰلِکَ الرُّقَادِ۔

ترجمہ:۔ بہترین موعظہ وہ ہے جس میں کلام سچائی کی حد سے آگے نہ بڑھے یعنی سچی باتوں سے وعظ کہے اور جھوٹی باتوں کو ملا کر اپنے وعظ کو رونق نہ دے اور فعل بھی اخلاص کی حد سے متجاوز نہ ہو یعنی اپنے وہ افعال جن سے وہ موعظ کرنا چاہتا ہے اسے خلوص سے بجا لائے۔ ریاکاری مکاری، عیاری، دغابازی افعال میں شریک نہ ہوں۔ کیونکہ

واعظ اور متعظ دونوں کی مثال جاگنے والے اور سونے والے کی سی ہے۔ لہذا جو کوئی خواب غفلت سے جاگ چکا ہے اور اپنے مخالفات اور معاصی کو ترک کر چکا ہے وہ اپنے غیر کو جگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

لیکن جو خود سرکشی کے میدان میں دوڑ رہا ہو وہ کیا سبیل الٰہی کی جانب دعوت دے سکتا ہے۔ جو گمراہی کے چراگاہ میں چر رہا ہو وہ کیا راہ خدا میں مدعو کر سکتا ہے۔

جو شرم و حیاء چھوڑ کر ریاکاری و شہرت اور تَصَنُّعْ اِلَی الْخَلْقِ کو پسند کرتا ہے وہ کیا کسی کو ہدایت کر سکتا ہے۔

جو لباس صالحین میں اپنے کو ظاہر کرتا ہے نیز اپنے باطن کو پاک صاف اور حکمت سے آباد بتاتا ہے لیکن واقعاً ان صفات سے خالی ہوتا ہے۔ ایسا آدمی کیا کسی کو سبیلِ الٰہی دکھا سکتا ہے؟

جو محبت آل محمدؐ سے وحشت رکھتا ہے اور ظلمت طمع اسے ڈھانکے ہوئے ہے وہ خود اپنے ہوا و ہوس کا مفتون ہے اپنے کلام سے آدمیوں کو بہکانے والا ہے ایسا آدمی کیا کسی کو موعظہ کرے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں خدا فرماتا ہے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔ یعنی مذکورہ صفات

کا مالک بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا ہے۔

جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے تفسیر آیہ!

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔

ترجمہ!۔

میں وارد ہوا ہے کہ قَالَ كَانُوْا ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفٌ اِئْتَمَرُوْا وَاَمَرُوْا فَنَجَوْا وَصِنْفٌ اِئْتَمَرُوْا وَلَمْ يَاْمُرُوْا فَمُسِخُوْا وَصِنْفٌ لَمْ يَاْتَمِرُوْا وَلَمْ يَاْمُرُوْا فَهَلَكُوْا۔ (وسائل الشیعہ)

یعنی جس قوم کا ذکر اس آیت میں خداوند عالم نے کیا ہے وہ تین قسم کے لوگ تھے۔

۱۔ ایک وہ تھے جو خود بھی عمل کرتے تھے اور لوگوں کو بھی عمل کرنے کا حکم دیتے تھے، وہ نجات یافتہ ہوئے۔

۲۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو خود عمل کرتے تھے مگر دوسروں کو حکم نہ دیتے تھے وہ مسخ ہوئے۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو نہ خود عمل کرتے تھے اور نہ دوسروں کو عمل کا حکم دیتے تھے وہ ہلاک ہوئے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وعظ کرنا اور سبیل الٰہی

کی جانب دعوت دینا، ایک امر واجب ہے، مگر اسی کے ساتھ لازم وضروری ہے کہ جس امر کا جس عمل کا لوگوں کو حکم دے وہ خود اس پر پہلے سے عامل بھی ہو تاکہ دوسروں پر اس کی بات کا اثر پڑ سکے۔

چنانچہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی وصیت میں محمد بن حنفیہ سے فرمایا ہے:- یَا بُنَیَّ اَقْبِلْ مِنَ الْحُکَمَاءِ مَوَاعِظَهُمْ وَتَدَبَّرْ فِیْ اَحْکَامِهِمْ وَکُنْ اَخَذَ النَّاسِ بِمَا تَأْمُرُ بِهٖ وَاَکَفَّ النَّاسِ عَمَّا تَنْهٰی عَنْهُ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ تَکُنْ مِنْ اَهْلِهٖ۔

ترجمہ:- اے فرزند حکماء کی نصیحتوں کو قبول کرو، اور ان کے احکام میں غور کرو جس امر کا حکم دو اس پر سب سے زیادہ تم ہی عمل کرنے والے رہو۔ اور جس امر سے لوگوں کو روکتے ہو اس سے باز رہنے والے بھی سب سے زیادہ تم ہی ہو اور لوگوں کو نیک باتوں کا حکم دو تاکہ تم بھی نیکوں میں داخل ہو۔

○

آداب واعظ

آداب واعظ میں جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے: اِنَّمَا یَاْمُرُ وَاْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ مَنْ کَانَ فِیْہِ ثَلٰثُ خِصَالٍ۔

یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی شخص کرے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جاتی ہوں۔ عَامِلٌ بِمَا یَاْمُرُ بِہٖ تَارِکٌ لِمَا یَنْھٰی عَنْہُ عَادِلٌ فِیْمَا یَاْمُرُ عَادِلٌ فِیْمَا یَنْھٰی رَفِیْقٌ فِیْمَا یَاْمُرُ رَفِیْقٌ فِیْمَا یَنْھٰی

۱- پہلی خصلت یہ ہے کہ جس کام کا حکم دے اس پر خود بھی عامل ہو اور جس سے منع کرنا ہو اس کا خود بھی تارک ہو۔

۲- دوسری خصلت یہ ہے کہ اپنے امر و نہی میں اعتدال سے کام لے (بالکل اس کے پیچھے نہ پڑ جائے)

۳- تیسری خصلت یہ ہے کہ جس کام کا حکم دے اور جس سے منع کرے اس میں نرمی اختیار کرے سخت گیری سے کام نہ لے، ورنہ لوگ دور ہو جائیں گے، کوئی شخص موعظہ سننے پر آمادہ نہ ہوگا۔

اس موقع کے لئے امیر المومنین علیہ السّلام نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے! مَنْ نَصَبَ نَفْسَہٗ لِلنَّاسِ اِمَامًا فَعَلَیْہِ اَنْ یَّبْدَاَ

بِتَعْلِیْمِ نَفْسِهٖ قَبْلَ تَعْلِیْمِ غَیْرِهٖ وَلْیَکُنْ تَادِیْبُهٗ بِسِیْرَتِهٖ قَبْلَ تَادِیْبِهٖ بِلِسَانِهٖ وَمُعَلِّمُ نَفْسِهٖ وَمُؤَدِّبُهَا اَحَقُّ بِالْاِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَمُؤَدِّبِهِمْ۔

یعنی جو کوئی اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا بنانا چاہتا ہے اس کے لیے لازم و ضروری یہ ہے کہ اپنے نفس کو اولاً تعلیم دے قبل اس کے کہ اپنے غیر کو تعلیم دے اور اسے چاہئے کہ اپنی زبان سے ادب سکھانے سے قبل لوگوں کو اپنے عادات و خصائل سے ادب سکھائے کیونکہ جو شخص اپنے نفس کا مودب اور معلم ہے وہ زیادہ قابل اجلال و احترام ہے بہ نسبت اس کے جو لوگوں کا معلم و مؤدّب ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے وارد ہے کہ آپ نے فرمایا: رَأَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ قَوْمًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَارٍ ثُمَّ تُرْمٰی فَقُلْتُ یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ خُطَبَاءُ اُمَّتِکَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَیَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتَابَ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ۔

پیغمبر فرماتے ہیں کہ میں نے شب معراج ایک قوم کو دیکھا

جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹ کر پھینک دیئے جاتے ہیں تو میں نے کہا جبرئیل کون لوگ ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا کہ اے محمدؐ یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں خطیب ہیں کہ جو لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے اور اپنے ہی نفسوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ کتاب کو پڑھ چکے ہیں کیا وہ سمجھتے نہیں ؟

دوسری حدیث میں مروی ہے : عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْ وَصِیَّتِہٖ لَہٗ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ یَطَّلِعُ قَوْمٌ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اِلٰی قَوْمٍ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ مَا اَدْخَلَکُمُ النَّارَ وَ اِنَّمَا دَخَلْنَا الْجَنَّۃَ بِفَضْلِ تَعْلِیْمِکُمْ وَ تَادِیْبِکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ اِنَّا کُنَّا نَاْمُرُکُمْ بِالْخَیْرِ وَلَا نَفْعَلُہٗ۔

یعنی پیغمبرؐ نے اپنی ایک وصیت میں ابو ذرؓ سے فرمایا کہ ایک قوم جو جنت میں ہو گی وہ بلند ہو کر اہل جہنم کو دیکھے گی اور پوچھے گی کہ تم کس بات پر داخل جہنم ہوئے جب کہ ہم تمہارے ہی فیض تعلیم و تادیب سے جنت میں آئے ہیں تو وہ جہنمی کہیں گے کہ ہم تم کو نیک کام کا صرف حکم دیتے تھے مگر خود عمل پیرا نہ تھے جس کی وجہ سے ہم جہنم میں ڈال دیئے گئے اور تم ہماری بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیئے گئے۔

مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوا کہ موعظہ کرنا فی نفسہ انتہائی مشکل کام ہے۔ ایک طرف تو وہ آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ موعظہ نہایت ضروری امر بلکہ واجب ہے۔ دوسری طرف یہ مشکل ہے کہ سبیل الٰہی دکھلانے والے واعظ کو لازم ہے کہ اُن اوصاف سے پہلے متصف ہو جن کا وہ حکم کرتا ہے اور ان تمام چیزوں کا تارک ہو جس سے وہ نہی کرتا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

موعظہ اور سبیل الٰہی کی جانب شوق دلانے والی آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ۔

اے رسول تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقہ سے جو سب سے اچھا ہو، اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

۲۔ دوسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

یعنی تم لوگوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہونا چاہیئے جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے اور بری باتوں سے منع کرے وہی گروہ فلاح یافتہ ہے۔

اس آیت میں صاف طور پر امت محمدیہ کے ایک گروہ کو حکم ہے کہ وہ اس کام کو اپنے ذمہ لیں، اور اس فرض کو اپنی زندگی کے ضروریات سے سمجھیں، اگرچہ آیت اولیٰ میں خاص طور پر رسول اللہ کو مامور کیا گیا ہے لیکن اس دوسری آیت نے بتا دیا کہ یہ فرض خاص حضرت ہی کے خدمت اقدس تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی امت کے لوگوں پر بھی فرض ہے کہ لوگوں کو عمل صالح کی تلقین کریں۔

نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس گروہ کو اپنی فلاح اور اپنی نجاتِ آخرت مطلوب ہو وہ اس فرض کو اپنے ذمہ لے چونکہ یہ کام بڑی ذمہ داری کا ہے اس لئے پروردگار عالم نے اس کے واسطے فلاح کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

نیز تیسری بات اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ موعظہ

کرنا سبیل الٰہی کی دعوت دینا واجب عینی نہیں ہے یعنی ہر فرد امت اس کی ذمہ دار نہیں، بلکہ بعض افراد ـــــــــــ گروہ کی صورت میں اگر اس کام کو انجام دیتے ہوں تو دوسروں سے ساقط ہے۔ جس طرح دیگر فرض کفائیہ کا حال ہے مثلاً نماز جنازہ فرض کفائی ہے، کسی ایک نے پڑھادی سب پر سے ساقط، البتہ جب تک ایک خاص گروہ اس کام کو انجام نہ دیتا ہو، اس وقت تک سب پر فرض ہے اور ہر شخص ذمہ دار تبلیغ ہے۔

۳۔ تیسری آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے :-

لَيْسُوا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔

تمام اہل کتاب یکساں نہیں ہیں بلکہ اہل کتاب سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ (خدا کے دین پر) اس طرح ثابت قدم ہیں (بظاہر چست و آمادہ کے معنی ہیں) کہ راتوں کو آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں، نیکی کی طرف دوڑتے ہیں، یہی

لوگ صالحین میں سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جہاں تلاوت آیاتِ الٰہی، قیام لیل، سارعت الی الخیر خدا کو بہت پسند ہے۔ مرغوب ہے وہاں نیک کاموں کا حکم دینا، بُری باتوں سے لوگوں کو روکنا بھی خدا کو محبوب و پسند ہے اور ظاہر ہے کہ جو امر پروردگار عالم کو محبوب ہو اس کا بجا لانا عقلاً اور عرفاً اور شرعاً ممدوح اور اچھا سمجھا جائے گا۔

نیز یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہی نجات و فلاح کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ انسان وہی ہے کہ جس طرح اس نے اپنی نجات کے واسطے ایمان اختیار کیا ہے دوسروں کو بھی اس راستہ پہ لانے کی کوشش کرے۔

۴۔ چوتھی آیت بڑی ہی سخت ہے، خدا نے بنی اسرائیل کا حال بیان کرتے ہوئے اہل اسلام کو بھی ہوشیار کر دیا ہے:۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔

یعنی بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جو کافر ہو گئے تھے داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی ملعون ٹھہرے کیونکہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور پھر دہر معاملے میں حد سے بڑھ جاتے تھے اور کسی بُرے کام

سے جس کو ان لوگوں نے کیا باز نہ آتے تھے، بلکہ اس پر باوجود نصیحت اڑے رہتے تھے جو کام یہ لوگ کرتے تھے کیا ہی بُرا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بُرے کاموں سے منع نہ کرنا باعثِ ملعونیت ہے یعنی اگر آدمی کسی برے کام کو دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے کو اس سے منع کرے اگر منع نہیں کرتا تو وہ عنداللہ ملعون ہے۔ رحمتِ خدا اس تک نہ پہونچے گی۔ اس سے زیادہ شدت کیا چاہیئے۔

۵۔ پانچویں آیت میں خاص اہل اسلام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

تم لوگ بہترین امت ہو اس لیئے پیدا کیئے گئے ہو کہ اچھے کاموں کا حکم دو اور بُری باتوں سے لوگوں کو منع کرو۔

۶۔ چھٹی آیت میں فرماتا ہے:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ط۔

اے رسول ان کی سرگوشی کی اکثر باتوں میں بھلائی کا تو نام تک نہیں مگر ہاں جو شخص کسی کو صدقہ دے یا اچھے کام کرنے کا حکم دے یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ پیدا کرنے کی صورت پیدا کرے تو جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے یہ سب کرے گا تو عنقریب ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔

۷۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موعظہ کا درجہ بدرجہ نماز اور زکوٰۃ ہے کیونکہ اس ساتویں آیت میں پروردگار یہ بھی فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط

اے رسول یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دیدیں تو بھی یہ لوگ پابندی سے نمازیں ادا کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور لیجھے اچھے کام کا حکم کریں گے بری باتوں سے لوگوں کو منع کریں گے۔

واضح رہے کہ اس کے علاوہ اور بھی آیات قرآن مجید میں ایسی ہیں جن سے اہتمام موعظہ و دعوت الی سبیل اللہ کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ یہاں ترغیب موعظہ و تبلیغ

کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ پھر بھی موعظۂ حسنہ کا عنوان دے کر آگے کے صفحات میں اہمیت وافادیت کو عقل ونقل سے بھی ثابت کیا گیا ہے۔

موعظۂ حسنہ کی اہمیت

عقل و نقل کی روشنی میں

یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ دعوت الی سبیل اللہ اور موعظۂ حسنہ کی ممدوحیت میں کسی کو کسی طرح کا شبہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عقل و نقل دونوں ہی اس کی خوبی پر ناطق ہیں۔ نقل کی دو صورتیں ہیں۔ کلامِ خدا اور کلامِ معصوم۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس لئے کہ کلام معصوم بعینہٖ کلام خدا ہے جیسا کہ خود پروردگارِ عالم فرماتا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ یعنی بغیر وحی الٰہی پیغمبر نطق ہی نہیں فرماتا ہے۔ معلوم ہوا کلامِ معصوم کلامِ الٰہی ہے لیکن پھر بھی اتنا فرق ضرور سمجھا جائے گا کہ وہ کلام کس کی زبان سے صادر ہوا ہے تو اس لحاظ سے رتبہ میں کمی بیشی ضرور ہو گی۔ بہرحال وہ نقل جو کلام خدا ہے یعنی آیاتِ الٰہی اسے گذشتہ صفحات السبیل میں ہم بتا چکے ہیں کہ موعظۂ حسنہ کیا شئی ہے اور کیونکر عنداللہ ممدوح ہے۔

اب کلامِ معصوم ملاحظہ فرمائیے۔ دیلمی نے ارشاد القلوب

میں نقل کیا ہے:۔ قَالَ النَّبِیُّ مَا اَھْدَ الْمُسْلِمُ لِاَخِیْہِ ھَدِیَّۃً اَفْضَلَ مِنْ کَلِمَۃِ حِکْمَۃٍ تَزِیْدُہٗ ھُدًی اَوْ تَرُدُّہٗ عَنْ رَدًی۔

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کسی مسلمان نے اپنے بھائی کیلئے کلمۂ حکمت سے افضل کوئی ہدیہ نہیں بھیجا کہ جس سے اس بھائی کو کافی ہدایت ہو یا وہ کلمہ ہلاکت سے بچائے۔ یعنی ایسا کلمۂ حکمت جو برادرِ مومن کی ہدایت میں اضافہ کا سبب ہو، یا اس کو ہلاکتِ آخرت سے بچانے والا ہو۔ اس سے بہتر ہدیہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیاوی تحف وہدایا کا اثر تو صرف تھوڑی دیر تک ہی رہ سکتا ہے۔ یعنی جب تک اسے کھا اور پہن نہیں لیا لیکن جب اسے کھا لیا یا پہن لیا پھر تو اس کا اثر ہی ختم ہوگیا۔ بخلاف اس کلمۂ ہدایت کے جس سے انسان نے اپنے نفس میں پاکیزگی پیدا کی ضمیر روشن کیا تو اس کا اثر قیامت تک رہے گا، اور آخرت میں فائدہ مند ہوگا۔ لہذا اس سے افضل تحفہ کوئی نہیں۔

دوسری حدیث میں فرمایا ہے: نِعْمَ الْعَطِیَّۃُ وَ نِعْمَ الْھَدِیَّۃُ الْمَوْعِظَۃُ۔ اچھا عطیہ اور بہترین ہدیہ موعظہ ہے۔

ارشاد القلوب میں مروی ہے:۔ وَاَوْحَی اللّٰہُ

تَعَالٰی اِلٰی مُوسٰی تَعَلَّمِ الْخَیْرَ وَعَلِّمْهُ مَنْ لَا یَعْلَمُهُ فَاِنِّی مُنَوِّرٌ لِمُعَلِّمِی الْخَیْرِ وَمُتَعَلِّمِیهِ قُبُورَهُمْ حَتّٰی لَا یَسْتَوْحِشُوْا بِمَکَانِهِمْ۔

خداوند عالم نے جناب موسیٰ کو وحی کی اے موسیٰ اچھی باتیں سیکھو اور سکھاؤ، ایسے لوگوں کو جو اُسے نہیں جانتے کیونکہ میں معلمِ خیر اور متعلمِ خیر دونوں کی قبروں کو روشن و منور کروں گا تاکہ انہیں قبر میں دہشت وخوف نہ ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وحشتِ قبر سے سخت خوف و وحشت کی کوئی دوسری جگہ نہیں، خدا اس دہشت سے ہر مومن کو بچائے لیکن اس سے بچنے کی کوئی صورت سوائے اس کے نہیں ہو سکتی کہ خود بھی امورِ خیر سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔

کسی نے ایک مرتبہ پیغمبر اسلام کی خدمت اقدس میں ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جن میں سے ایک تو صرف نماز واجبی پڑھ لیتا تھا، اس کے بعد مجلس میں بیٹھتا تھا اور لوگوں کو امورِ حسنہ کی تعلیم کرتا تھا۔

دوسرا شخص صائم النہار اور قائم اللیل رہتا تھا، یعنی دن کو روزے رکھتا اور شب بھر نمازمیں مشغول رہتا تھا۔

پوچھا گیا اے پیغمبر ان دونوں میں افضل کون ہے

فرمایا۔ فَضْلُ الْاَوَّلِ عَلَی الثَّانِیْ کَفَضْلِیْ عَلَی الْاَنَامِ۔
یعنی پہلا شخص دوسرے سے اتنا ہی افضل ہے جتنا میں تمام خلائق سے۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہ کی افضلیت آسمان، زمین، بلکہ تمام کائنات پر ایسی ہے جس کی حقیقت و ماہیت ہماری عقلِ ناقص اور سمجھ سے کہیں بالاتر ہے۔

اسی طرح وہ پہلا شخص بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہے جس کی حقیقت کو سمجھنا دشوار ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ ہمیشہ روزہ دار رہنا اور تمام شب عبادت میں بسر کرنا بیشک و شبہ بہترین عمل ہے کوئی اس کے اعمالِ حسنہ ہونے کا منکر نہیں ہو سکتا، لیکن اس سے افضل یہ ہے کہ کوئی صرف واجبی عبادت پر ہی اکتفا کرے، اس کے بعد بندگانِ خدا کی تعلیم میں وقت کو صرف کرے تو اس سے بڑی عبادت کوئی نہیں ہو سکتی، کیونکہ عابد کا فائدہ اس کی ذات تک محدود ہے اور معلم کا افادہ رہتی دنیا تک برقرار رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جناب باری نے حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد کی تعریف ان لفظوں میں فرمائی ہے:۔ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا وَکَانَ یَاْمُرُ

اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا۔
یعنی بیشک اسماعیلؑ صادق الوعد تھا، رسول اور نبی تھا، اپنے اہل واقارب کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور خدا کے نزدیک پسندیدہ تھا۔
نیز ایک حدیث میں مروی ہے :۔ مَاتَصَدَّقَ مُؤْمِنٌ بِصَدَقَۃٍ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ مَوْعِظَۃٍ یَعِظُ بِھَا قَوْمًا یَتَفَرَّقُوْنَ وَقَدْ نَفَعَھُمُ اللّٰہُ بِھَا وَھِیَ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ۔
یعنی کوئی صدقہ پروردگار عالم کے نزدیک اس موعظہ سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کہ جس سے ایک قوم کی تفریق اور نفاق کو دور کیا جائے" یہ موعظہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔

قصّہ حضرت اسماعیلؑ

یہ اسماعیلؑ صادق الوعد جن کا ابھی ذکر آیا۔ ان کی نسبت جناب صادق آل محمد علیہ السّلام سے مروی ہے۔
برید عجلی نے حضرت سے سوال کیا کہ وہ اسماعیل جن کو خدا نے صادق الوعد فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے فرزند ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرے ہیں، کیونکہ لوگ بیان کرتے ہیں

کہ یہ اسماعیل ابن ابراہیم ہیں تو حضرت نے فرمایا اسماعیل نے ابراہیم سے پہلے رحلت فرمائی ہے اور ابراہیم تو صاحبِ شریعت تازہ اور حجت خدا تھے۔ اُن کے زمانہ میں دوسرا پیغمبر مرسل مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسماعیل بن ابراہیم کیونکر ہو سکتے ہیں، وہ پیغامبر تھے، رسول نہ تھے اور یہ اسماعیل خدا نے جن کا ذکر اس آیت میں کیا ہے، یہ حزقیل کے فرزند ہیں۔ حق تعالیٰ نے اِن کو اِن کے قوم کی طرف مبعوث کیا تھا۔ مگر ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور بڑی بے دردی سے قتل کر دیا، اِن کے سرِ مبارک اور چہرہ کی کھال اتار لی تھی تب خداوند عالم نے غضب ناک ہو کر سطاطائیل فرشتہ کو عذاب کرنے کے لئے بھیجا۔ فرشتہ خدمتِ حضرت اسمٰعیل میں آیا اور کہا میں سطاطائیل فرشتۂ عذاب ہوں۔ خدا نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اگر تم کہو تو میں تمہاری قوم کو مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کر دوں۔ اسماعیل نے کہا اے سطاطائیل مجھے ان کے عذاب کی خواہش نہیں تب خدا نے وحی فرمائی اے اسماعیل پھر تمہاری کیا حاجت ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے معبود تو نے اپنی ربوبیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری اور ان کے اوصیاء

کی ولایت کا ہم سے عہد و پیمان لیا۔ اپنی مخلوقات کو اس ظلم و جور سے آگاہ بھی کر دیا جو ان کی امت اپنے پیغمبر کے بعد حسین بن علیؑ پر کرے گی" اور تو نے وعدہ بھی کیا ہے کہ حسین بن علیؑ کو دنیا میں دوبارہ بھیجوں گا، تاکہ وہ اپنے قاتلوں سے خود انتقام لیں"

خواہش اسماعیلؑ

پس اے معبود میری بھی تجھ سے یہی خواہش و حاجت ہے کہ اس وقت تجھ کو بھی دنیا میں پھر مبعوث کر دے تاکہ میں بھی ان لوگوں سے جنہوں نے مجھ پر ظلم و ستم کئے ہیں، خود ان سے انتقام لے سکوں۔ جیسا کہ تو حسین بن علیؑ کو پھر مبعوث کرے گا" چنانچہ خدا نے اسماعیل بن حزقیل سے وعدہ کر لیا ان کو بھی زمانۂ رجعت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ پھر دنیا میں مبعوث کرے گا" (علل الشرائع۔ تفسیر قمی)

ایک حدیث معتبر میں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ بہترین تصدقات۔ تصدقِ زبان ہے۔ یعنی فریضۂ انسانی یہ ہونا چاہئے کہ کلام خیر اور موعظۂ حسنہ اور دعوت الی سبیل اللہ کے ذریعہ مخلوقات الٰہی کے جان و مال کی حفاظت کرے بدی کو ان سے دور رکھے اور اپنے برادر دینی کو نفع پہونچائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں وہ شخص سب عابدوں سے بہتر اور افضل قرار دیا جاتا تھا۔ جو بادشاہ وقت کے پاس مومنین کی حاجت روائی میں کوشش کرتا تھا، چنانچہ ایک روز کوئی عابد بادشاہ کی خدمت میں کسی مومن کی سفارش کے لئے جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں حضرت اسماعیل بن حزقیل سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے کہا کہ آپ یہاں سے اس وقت تک نہ جائیں جب تک کہ میں پلٹ کر آپ کے پاس دوبارہ نہ آجاؤں چنانچہ عابد جب بادشاہ کے پاس گیا تو اپنا وعدہ بھول گیا مگر حضرت اسماعیل اس عابد کے انتظار میں ایک سال تک اسی جگہ ٹھہرے رہے، تو خداوند عالم نے اسی جگہ ان کے لئے ایک چشمہ جاری کیا اور ایک قسم کی گھانس اگا دی جسے وہ کھاتے تھے اور اس چشمہ سے پانی پیتے اور گذر بسر کرتے تھے سر اقدس پہ ایک ابر سایہ فگن کر دیا تھا۔

ایک روز بادشاہ سیر و تفریح کے ارادہ سے گھوڑے پر سوار ہوا، وہ عابد بھی اس کے ساتھ تھا، جب اس جگہ پہونچے جہاں اسماعیل بیٹھے ہوئے تھے، تو عابد نے بڑھ کر اسماعیل علیہ السلام سے کہا آپ اب تک یہاں بیٹھے ہیں؟ فرمایا تونے ہی تو کہا تھا کہ یہاں سے کہیں نہ جانا جب تک میں واپس نہ آجاؤں۔

اس لیئے اب تک میں یہاں سے کہیں نہیں گیا۔ (کافی)

اسی سبب سے خدا نے ان کا لقب صادق الوعد رکھا۔

اس وقت بادشاہ کے ہمراہ ایک ظالم شخص بھی تھا وہ بول اٹھا اے بادشاہ! جناب اسماعیل اس وقت جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس لیئے کہ میں اکثر و بیشتر اس صحرا میں آتا جاتا رہا مگر کبھی کہیں یہ مجھے نظر نہ آئے۔

اسماعیلؑ نے فرمایا تو جھوٹا ہے اچھا ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے جو چیزیں خداوند عالم نے تجھ کو بہترین اور عمدہ دی ہیں ان میں سے بعض کو (بیکار سمجھ خدا کے حوالہ کر دے) چنانچہ اسی وقت اس کے تمام دانت گر گئے۔

پس اپنا حشر دیکھ کر اس ظالم نے بادشاہ کے سامنے اپنی دروغ گوئی کا اقرار کیا، اور کہا کہ یقیناً میں نے اس بندہ صالح پر افترا و بہتان کیا تھا جس کی وجہ سے اس انجام کو پہونچا ہوں۔ لہذا تو اے بادشاہ التماس اور درخواست کر تا کہ یہ بندۂ صالح اپنے خدا سے میرے لیئے دعاء کرے اور میرے دانت پھر مجھے عطا کرے کیونکہ میں ضعیف و ناتواں لاغر و مجبور اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے زیادہ دانتوں ہی کی ضرورت رہتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت اسماعیل سے اس امر کی استدعا کی

تب جناب اسماعیل نے وعدۂ دعاء فرمایا، مگر بادشاہ بضد ہوا کہ ابھی اسی وقت دعاء کیجئے۔ اسماعیل نے فرمایا کہ صبح کو دعاء کروں گا، صبح ہوئی بارگاہ الٰہی میں دعاء کی خدا نے اس کے دانت پھر اس کو عطا کر دیئے۔ اس کے بعد حضرت صادق آل محمدؐ علیہ السلام نے فرمایا۔ بہترین اوقاتِ دعاء وقت سحر ہے۔ حق تعالیٰ نے ایک گروہ کی مدح میں فرمایا ہے:۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

اس حدیث سے جہاں اور بہت سے فوائد معلوم ہوئے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدہ وفائی اس قدر مہتم بالشان کام ہے کہ جناب اسماعیل نبیؑ ایک سال تک اپنے وعدہ گاہ پر قیام پذیر رہے اور دیگر امور سے اپنا کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں رکھا خدا کو بھی ان کا یہ فعل اتنا پسند آیا کہ ان کے واسطے چشمہ پیدا کر دیا تاکہ وہ اس سے سیراب ہوں ایک گھاس اگائی تاکہ ان کی غذا بن سکے۔

درحقیقت ایفائے وعدہ ایسی ہی شئے ہے مگر افسوس اس زمانہ میں وعدہ کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ بہت کم ایسے افراد ہوں گے جو اس بات کا خیال اور اہتمام رکھتے ہوں گے کہ اپنے وعدہ کو یاد رکھیں اور اس کے پورا

کرنے کی کوشش کریں۔ حالانکہ شارع علیہ السلام کی طرف سے اس کے متعلق اہتمام بھی وارد ہوا ہے۔ عقل بھی یہی حکم دیتی ہے کہ اگر وعدہ کیا جائے تو اس کو پورا کیا جائے کیونکہ وعدہ خلافی کی صورت میں انسان کے قول و فعل کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے، رہا سہا وقار زائل ہو جاتا ہے، لوگوں کی نگاہ سے گر کر بے قدر ہونے کی وجہ سے خود بھی نقصان اٹھاتا ہے اور دوسرے بھی اس کے وجود سے پریشان رہتے ہیں۔ کیا یہ کم ذلت و رسوائی ہے کہ لوگ اسے جھوٹا سمجھیں اور اس کی کسی بات پر کوئی اعتبار نہ کرے۔

رسالتمآب وعدہ کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَفِ اِذَا وَعَدَ۔

یعنی صادق آل محمدؑ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا جو کوئی خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لا چکا ہے اسے واجب ہے کہ جب وعدہ کرے تو پورا کرے۔

نیز قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا

لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ یعنی اے ایمان والو تم کیوں اس بات کو کہتے ہو جسے تم خود نہیں کرتے ۔ یاد رکھو بڑی ناراضی ہے ۔ خداوند عالم کی اس امر میں کہ تم منہ سے وہ بات کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے ۔ (آیت میں عموم جس میں وعدہ بھی شامل ہے)

اس آیت نے بتایا کہ جو زبان سے وعدہ کرے اس کا پورا کرنا ضروری ہے مگر فی زمانتا لوگ ایک دن میں نہ جانے کتنے وعدے کرتے ہیں مگر کسی ایک کو بھی پورا نہیں کرتے

ارشادات آیۃ اللہ خمینی مدظلہ

آپ کے پاس اس وقت نہ تو لشکر ہے نہ حکومت ہے صرف تبلیغ کا ذریعہ ہے اور دشمن کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ آپ کے تمام تبلیغی وسائل کو ختم کر دے لیکن اسی کے ساتھ عبادی مسائل کو بتاتے رہنا چاہیئے ۔

(حکومت اسلامی اردو حصہ دوم ص۵۸)

اگر علماء حرام و حلالِ الٰہی کے امین ہو جائیں اور علم و عدالت کے حامل بن جائیں ، حکم الٰہی کا اجراء کرنے لگیں ، حدود کو جاری کرنے لگیں ، احکام و امور اسلام ان کے ہاتھوں

جاری ہونے لگیں تو پھر ملت بیچارہ نہیں رہ سکتی، احکام اسلام معطل نہیں ہو سکتے۔ (حکومت اسلامی حصہ دوم اردو ص۵۵)

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے

آیۃ اللہ خمینی مدظلہ فرماتے ہیں۔ دستور و احکام کا سرچشمہ قرآن وحدیث اور مجتہدین کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں ننانوے فیصدی سے بھی زیادہ ہیں اسی طرح حدیث کی کتاب کے پورے ایک دورے میں جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آپ حضرات جوان ہیں (طلباء سے مخاطب ہیں) اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے (یعنی طلباء کے) بیان کر رہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنا لیئے۔ اور قوانین اسلام کے پہنچوانے

ہیں باقاعدہ کوشش فرمائیے۔ آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً، تقریراً لوگوں کو بتائیے کہ اسلام اپنے ابتدائی دور سے کن مشکلات سے گذرتا رہا ہے۔ اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں۔ اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔

ایسا نہ ہو کہ حقیقت و ماہیتِ اسلام مخفی رہ جائے۔ اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق و خلق کے درمیان رابطہ کے لئے صرف چند انگلیوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے۔ اور مسجد و کلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(حکومت اسلامی)

"وجوب موعظہ"

یہ ایک حقیقت ہے کہ عام فطرت انسانی اس بات پر مجبور ہے کہ انسان کے لئے سہو و نسیان ہو کیونکہ اگر انسان میں سہو و نسیان نہ ہو گا تو وہ یا رسولؐ ہو گا یا امامؑ۔

لیکن ہر شخص رسولؐ یا امام نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے لازم قرار پاتا ہے کہ انسان میں سہو و نسیان پایا جائے جب سہو و نسیان اس پہ غالب ہو گا تو ضرور وہ اکثر وعید و تہدید خداوند عالم کو بھول جایا کرے گا۔

ادھر غلبۂ شہوانیہ اور غضبانیہ اپنا کام جب انجام دیں گے تو پھر ادھر سہو و نسیان غفلت میں ڈالے گا۔ لہذا لامحالہ ایسی صورت میں انسان منہیات و محرمات کا مرتکب ہو گا۔ حالانکہ اجمالاً ہر مسلم کو معلوم ہے کہ ارتکاب منہیات انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و خوار کرنے والا ہے اس لئے لازم و ضروری ہے کہ کوئی ایسا امر ہر وقت آدمی کے پیش نظر رہے جس سے اس کے سہو کا تدارک بھی ہوتا رہے۔ لہذا تدارک کے لئے موعظہ سے بہتر کوئی شی نہیں کیونکہ موعظہ سے

آدمی کا دل نرم ہوتا ہے

فسادات دور ہوتے ہیں

بھولی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں

خوف الٰہی طاری ہوتا ہے

امورِ خیر کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اب جب کہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آدمی ایک دوسرے کا بھائی ہے خصوصاً مومنین کیونکہ پروردگار عالم صاف لفظوں میں فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ مومنین سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو ہر بھائی کا عقلی فرض ہونا چاہیئے کہ جب کسی دوسرے بھائی کو مصیبت میں دیکھے تو اس کو اس مصیبت سے بچانے کی کوشش کرے۔ مگر آخرت کی مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی تھی چونکہ اس اخروی مصیبت کی ایک دن کی مصیبت یہاں کے ہزار دنوں کے برابر ہے جس کے لیئے خاتمہ ہے ہی نہیں اور اگر بالفرض خاتمہ بھی ہو تو وہاں سے بچانا تو بہرحال ضروری و لازم ہوگا۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب موعظہ اختیار کیا جائے سوائے موعظہ کے دوسری بچاؤ کی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عقلاً موعظہ واجب ہے۔ اس موعظہ سے بنی نوع انسان کی اعلیٰ درجہ کی ہمدردی اور ان کی اعانت بھی ہوتی ہے بلکہ ایسی اعانت

جس سے بڑھ کر کوئی اعانت ہو ہی نہیں سکتی۔

اسی لحاظ سے معصومین علیہم السلام نے ہمیں اس باب میں بہت کچھ تاکید فرمائی ہے۔

کفایتِ یتیم کی جزا

۱۔ امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے جناب رسول اللہؐ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

اَشدّ من یتم الیتیم الذی اِنقطع عَنْ اُمّہ وَ اَبیہ یتم بتیم انقطع عن اِمَامِہٖ ولا یقدر علیٰ الوصولِ الیہ ولا یدری کیف حکمہ فیما یبتلی بہ من شرائع دینہ الافمن کان من شیعتنا عالماً بعلومنا وھذ الجاھل بشریعتنا المنقطع عن مشاھدتنا یتیم فی حجرہ الافمن ھداہ وارشدہ وعلمہ شریعتنا کان معنافی الرفیع الاعلیٰ۔

(احتجاج طبرسی)

یعنی جو شخص کہ یتیم مادر و پدر ہو اس سے زیادہ سخت یتیمی اس کی ہے کہ جو یتیم امام ہو اور اپنے پیشوا سے جدا ہو گیا

ہو، اس تک نہ پہونچ سکتا ہو اور نہ یہ جان سکتا ہو کہ اسے اپنے دین کے شرائع میں کیا کرنا چاہیئے اور اس کو کیا حکم دیا گیا ہے۔ آگاہ ہو جو کوئی ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علوم کا عالم ہو اور یہ جاہل شریعت جو ہمارے مشاہدے سے قاصر ہے وہ اس کی گود میں یتیم ہے۔ یعنی ایسا ہے جیسے کوئی یتیم کسی کی گود میں ہو تو جو کوئی اس کی رہنمائی و ہدایت کرے گا۔ ہماری شریعت کی اسے تعلیم کرے گا وہ ہمارے ساتھ رفیع اعلیٰ میں ہوگا۔

۲۔ نیز حضرت سے مروی ہے:۔

قَالَ الحسین بن علی علیہ السلام مَنْ کَفَلَ لَنَا یَتِیْمًا قَطَعَتْہُ عَنَّا مِحْنَتُنَا بِاسْتِتَارِنَا فَوَاسَاہُ مِنْ عُلُوْمِنَا الَّتِیْ سَقَطَتْ اِلَیْہِ حَتّٰی اَرْشَدَہٗ وَ ھَدَاہُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یَا اَیُّھَا الْعَبْدُ الْکَرِیْمُ الْمُوَاسِیْ لِاَخِیْہِ اَنَا اَوْلٰی بِالْکَرَمِ مِنْکَ اِجْعَلُوْا لَہٗ یَا مَلٰئِکَتِیْ فِی الْجِنَانِ بِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ عَلَّمَہٗ اَلْفَ اَلْفَ قَصْرٍ وَ ضَمُّوْا اِلَیْھَا مَا یَلِیْقُ بِھَا مِنْ سَائِرِ النِّعَمِ۔

(احتجاج طبرسی)

یعنی امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے یتیم کی کفالت کرے جو ہمارے پوشیدہ رہنے کی وجہ سے

مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس کی غمخواری ہمارے ان
علوم کے ذریعہ کرے جو اس تک پہونچے ہیں یہاں تک کہ
اسے ہدایت کرے تو پروردگار عالم فرمائیگا اے بندہ کریم
جس نے اپنے مؤمن کی غمخواری کی ہے، میں بہ نسبت تیرے
زیادہ کریم ہوں۔ اے میرے ملائکہ اس کے واسطے جنت
میں بعدد ہر ہر حرف جو اس نے تعلیم دیئے ہیں ہزار ہزار
قصر اس کو دو اور ان کے ساتھ وہ تمام نعمتیں بھی شامل کرو
جو ان قصور کے شایانِ شان ہیں۔

۳- نیز آپ نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی
ہے کہ آپ نے فرمایا:

يُقَالُ لِلْعَابِدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نِعْمَ الرَّجُلُ
كُنْتَ هِمَّتُكَ ذَاتَ نَفْسِكَ وَكَفَيْتَ مُؤْنَتَكَ
فَادْخُلِ الْجَنَّةَ أَلَا إِنَّ الْفَقِيهَ مَنْ أَفَاضَ عَلَى
النَّاسِ خَيْرَهُ وَأَنْقَذَهُمْ مِنْ أَعْدَائِهِمْ وَ
وَفَّرَ عَلَيْهِمْ نِعَمَ جِنَانِ اللهِ تَعَالَى وَحَصَّلَ
لَهُمْ رِضْوَانَ اللهِ تَعَالَى۔ وَيُقَالُ لِلْفَقِيهِ يَا أَيُّهَا
الْكَافِلُ لِأَيْتَامِ آلِ مُحَمَّدٍ الْهَادِي لِضُعَفَاءِ مُحِبِّيهِمْ
وَمَوَالِيهِمْ قِفْ حَتَّى تَشْفَعَ لِكُلِّ مَنْ أَخَذَ عَنْكَ

اَوْتَعَلَّمَ مِنْكَ فَيَقِفُ فَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَعَهُ فِيَامًا وَفِيَامًا وَفِيَامًا حَتّٰى قَالَ عَشْرًا وَهُمُ الَّذِيْنَ اَخَذُوْا عَنْهُ عُلُوْمَهُ وَاَخَذُوْا عَمَّنْ اَخَذَ عَنْهُ وَعَمَّنْ اَخَذَ عَمَّنْ اَخَذَ عَنْهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْظُرُوْا كَمْ فَرْقُ مَابَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ۔ (احتجاج طبرسی)

یعنی عابد سے کہا جائے گا بروز قیامت کہ تو اچھا آدمی تھا تیری ہمت صرف اپنے نفس تک محدود تھی اور تو نے اپنی مشقت کی جزا پائی تو اب تو داخل جنت ہو۔ مگر فقیہہ تو وہ ہے جس نے لوگوں پر اپنے خیر جاری کئے انہیں ان کے دشمنوں سے بچایا۔ اور خدا کی جنتوں کی نعمتیں ان پر زیادہ کیں اور انہیں رضوان الٰہی حاصل کرایا۔ اور فقہیہ سے کہا جائیگا کہ اے یتیمان آلِ محمدؐ کے کفالت کرنے والے اے ضعفاء محبین آلِ محمدؐ کی ہدایت کرنے والے ٹھہر تاکہ تو شفاعت کرے، ان لوگوں کی جنہوں نے تجھ سے تحصیلِ علم کیا ہے۔ پس وہ ٹھہرے گا اور اس کے ساتھ گروہ۔ گروہ لوگ داخل ہوں گے۔ اس لفظ فیام کو حضرت نے دس مرتبہ فرمایا۔ یہ سب وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اس سے علوم کو سیکھا ہوگا، اور اس سے سیکھا ہوگا

جو اس کے تعلیم یافتہ تھے۔ اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ الی یوم القیامۃ جتنے لوگوں تک اس کا فیض پہونچا ہوگا۔ ان سب کی سفارش یہ عالم کرسکے گا۔ اب دیکھو کہ ان دونوں کے مرتبہ میں کتنا فرق ہے۔

"قیمتی شئی"

بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے کہ واعظ کا مرتبہ پیشِ خدا بہت زیادہ ہے اور وعظ تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی شئی ہے۔ خصوصاً اس کفر و الحاد کے زمانہ میں جبکہ ہمارے آخری امام حضرت حجۃ علیہ السلام پردۂ غیب میں ہیں جس کی وجہ سے ہر طرف جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے چاروں طرف مخالفین کا ہجوم ہے۔ اہل ایمان ان کے درمیان اس طرح ہیں جیسے بتیس ۳۲ دانتوں کے بیچ زبان ہو، ہر فرقہ والا یہی چاہتا ہے کہ اہل اسلام کو اپنے میں داخل کرلے اور ایمان و اسلام دنیا سے مٹ جائے قرآن پر اعتراضات کئے جاتے ہیں، کسی نے نو سو ۹ بے بنیاد اعتراض قرآن پر کئے، کسی نے ابتداء ہی سے قرآن پر تنقید کرنا شروع

کر دی، کسی نے دوسرا قرآن شائع کرنے کا قصد کیا، کسی نے کہا یہ کلامِ الٰہی نہیں بلکہ کلام پیغمبرِ اسلام ہے۔

غرض ہر طرف یہی پکار رہے کہ مسلمان کو مار لو، ختم کر دو ایمان و اسلام مٹا دو، ایسے وقت میں اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر ہمت وعظ و نصائح کی طرف مصروف کریں، اور فرض ہدایت کو پورا کریں تاکہ جہلا ان مخالفین کے دام فریب میں مبتلا ہو کر بھٹک نہ سکیں۔

لیکن پہلی مصیبت ہم شیعوں کے لئے یہی ہے کہ خود آپس میں متحد نہیں رہتے، ایک دوسرے سے ہمیشہ دست و گریبان رہتے ہیں۔ دوسری مصیبت یہ کہ اہلِ علم کی بالکل قلت ہے۔ خطیب ہونا اس زمانہ میں کوئی کمال نہیں، سبھی خطیب اعظم ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں فیصدی ایک بھی اس وقت مسلم الثبوت عالمِ مذہب شیعہ نظر نہیں آتا، اور اگر کوئی ہے بھی تو وہ یا شکارِ افلاس ہے یا شکارِ علالت ہے یا شکارِ کسمپرسی۔ پھر اصلاحی کام ہوں کیونکر، جو ان کے علاوہ ہیں وہ زیادہ تر شکارِ تعیش و تنعم ہیں۔ اس وقت اگر کوئی اہم ضرورت ہے تو مذہبِ شیعہ کے جیّد علماء کی تاکہ فرقہ شیعہ کو بھرپور مدد ملے۔ ویسے مایوسی نہیں ہے خدا ہر زمانے

ہیں کچھ درد دل رکھنے والوں کو پیدا کرتا رہے گا۔

باپ تین طرح کے ہوتے ہیں
شیعہ یتیمانِ آلِ محمدؐ ہیں

مذکورہ حدیثوں میں شیعوں کو ایتام آل محمد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ اصل امر یہ ہے کہ ہمارے رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام معلم مذہب اور معلم دین تھے حدیثوں سے ثابت ہے کہ باپ تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جسکے صلب سے وہ شخص پیدا ہوا ہے، دوسرا وہ جس کی لڑکی اسکی زوجیت میں ہے۔ تیسرے وہ جو اس کا معلم ہے۔ مگر ان تینوں میں اس باپ کا مرتبہ زیادہ ہے جو معلم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا معصومؑ تک عدم رسائی نے شیعوں کو یتیم بنا رکھا ہے۔

شیعوں کے نسبی و تعلیمی باپ

غالباً اسی تین باپوں کی بنیاد پر حدیث میں رسولؐ سے مروی ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا:۔ اَنَا وَ عَلِیٌّ اَبُوَا ھٰذِہٖ

الاُمَّۃِ۔ ہیں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں۔ یعنی ہم کو اس امت سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو کسی باپ کو بیٹے سے ہونا چاہیے اور حقیقت بھی یہی ہے، اس لئے کہ اس امت کی تعلیم و تربیت میں ان دونوں بزرگواروں نے وہ زحمتیں اٹھائی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ان کی تعلیم کے لئے اپنے نفس کو معرض ہلاکت میں ڈالا۔ ان کی تربیت کے لئے اپنے نفس کو بھوکا پیاسا رکھا ان کی تعلیم کے لئے اپنے جسموں کو زخمی کرانا پسند کیا۔ ان کی تربیت کے لئے لذات دنیا کو ترک کیا۔ غرض کیا کچھ زحمتیں، اس امت کے لئے انہیں برداشت کیں۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ اُبُوَّتْ سے مراد دونوں طرح کی اُبُوَّتْ ہو، یعنی نسبی بھی اور تعلیمی بھی، نسبی یوں کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، شِیْعَتُنَا خُلِقُوْا مِنْ فَاضِلِ طِیْنَتِنَا وَعُجِنُوْا مِنْ نُوْرِ وَلَایَتِنَا۔ ظاہر ہے کہ وہ فاضل طینت انہیں کا جزو تھی لہذا جسطرح فرزند جزوِ بدنِ پدر رہتا ہے، صرف اس وجہ سے کہ ان کے درمیان خاص تعلقات ہوتے ہیں اسی طرح یہاں بھی عموماً شیعہ جزو ابدان رسالتماب اور ائمہ طاہرین ہیں۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ پہلے قسم کے فرزند کو تو فرزند نسبی کہا جائے اور دوسرے قسم کے فرزند کو فرزند نسبی نہ کہا جائے

ویسے شریعت کے احکام ظاہریہ کی بنا پر دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

شیعوں کے خاص باپ

میرا خیال ہے کہ حضرت رسولِ خدا اور ائمہ علیہم السّلام اہلِ اسلام کے لئے عموماً اور شیعوں کے لئے خصوصاً پدرِ حقیقی سے بالاتر تھے۔ اہلِ اسلام کے لئے عموماً بلحاظِ تعلیم و تربیت ہے اور شیعوں کے لئے خصوصیت بلحاظ جزوِ بدن بھی ہے اور بلحاظ تعلیم و تربیت بھی ہے۔ لہٰذا حدیث اَنَا وَ عَلِیٌّ اَبُوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ کی روشنی میں ہر شیعہ ان حضرات کو پدرِ نسبی سمجھنے کا حق رکھتا ہے۔ بہ نسبت دیگر اسلامی فرقہ کے کیونکہ حضرات ائمہ و حضرت رسول خدا کو اپنے شیعوں سے خاص الفت و محبت تھی جس کا ثبوت احادیث گذشتہ سے یوں ہوتا ہے کہ اپنے شیعہ یتیمانِ آل محمد کی سفارش کن کن تاکیدی لفظوں میں کی ہے اور احسان کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہ سب مذکورہ حدیثوں کے ذریعہ شیعوں سے خاص الفت و محبت کی دلیل ہے۔ اِس وجہ سے شیعوں کے دل بھی کچھ ایسے اپنے ائمہ علیہم السلام سے وابستہ ہیں کہ ان کی مصیبت انہیں اپنی مصیبت معلوم ہوتی

ہے اور ان کی ہر خوشی اپنی خوشی معلوم ہوتی ہے۔

مگر دیگر فرقِ اسلامی کے لوگوں کو تعلیماتِ ائمہ علیہم السلام سے دور بھاگنے کی آج بھی وہی حالت ہے جو کسی بدشوق لڑکے کی حالت معلم کے ساتھ ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح بچہ معلم کی صورت سے دور بھاگتا ہے اور معلم اسے اپنے پاس بٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، پھر بھی بھاگنے والے بھاگ ہی جاتے ہیں، ہاتھ نہیں آتے مثل مشہور ہے "طفل بمکتب نمی رود ولی برندش"، مگر شیعوں کو دیکھئے کہ ان کو اپنے معلم یعنی ائمہ علیہم السلام سے ایسا اُنس ایسی الفت ایسی محبت و مودت ہے جیسے بچہ کو باپ سے ہوتی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ شیعوں کو دونوں طرح کی فرزندی حاصل ہے اور باقی مسلمین صرف ایک ہی قسم کی فرزندی میں ہیں بشرطیکہ سمجھیں ورنہ ناخلف ہونے کا ثبوت خود مل جائے۔ یہیں سے شیعہ حضرات کو بھی سوچنا ضروری ہے کہ محمد و آل محمد کی اتباع میں کہاں تک پورے اترتے ہیں ورنہ فرزندی کا دعویٰ صرف دعویٰ ہو کر رہ جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

"نفسِ موعظہ"

یعنی واعظ کے لئے شرط اول تو یہ ہے کہ اس کے موعظہ سے کوئی ضرر و نقصان کا خوف نہ ہو کیونکہ خوفِ ضرر کی صورت میں موعظہ حرام ہو جائے گا۔

شرط ثانی یہ ہے کہ واعظ کو اس بات کا خیال رہے کہ میرا موعظہ کہنا اثر بھی کرے گا یا نہیں اگر بے اثر ثابت ہو تو پھر ایسی صورت میں موعظہ کہنا ہی واجب نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے صادق آلِ محمدؑ سے عرض کیا یا حضرت رسول اسلام کا یہ فرمانا: اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ۔ یعنی بہترین جہاد وہ کلمہ انصافیہ ہے جو حاکم ظالم کے سامنے کہا جائے۔ یعنی ظالم و جابر بادشاہ کو اس کے فعلِ بد سے منع کرنا افضلِ جہاد ہے" اس کے کیا معنی ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا عَلٰى اَنْ يَّاْمُرَهٗ بَعْدَ مَعْرِفَتِهٖ وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَقْبَلُ۔ یعنی یہ اس وقت میں ہے جب معلوم ہو کہ وہ ہمارا کہنا مانے گا بھی

وَاِلَّا فَلَا نہیں تو لازم نہیں ہے کہ اس کو اس کے بُرے افعال سے منع کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ موعظہ نرمی اور سلاست کے ساتھ ہو، خشونت اور سختی نہ کی جائے کہ جس سے سننے والے کو غصہ آجائے اور وعظ کا اثر بھی زائل ہو جائے ایسے موعظے سے فائدہ ہی کیا جس کا قلوب انسانی تحمل ہی نہ کر سکیں۔ جیسا کہ صادق آل محمدؐ سے مروی ہے عمر بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جناب صادقؑ نے فرمایا یَا عُمَرَ لَا تُحَمِّلُوْا عَلٰی شِیْعَتِنَا وَارْفِقُوْا بِھِمْ فَاِنَّ النَّاسَ لَا یَحْتَمِلُوْنَ مَا تُحَمِّلُوْنَ۔ اے عمر! ہمارے شیعوں پر بوجھ نہ ڈالو بلکہ ان سے نرمی کرو کیونکہ سب لوگ اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ جتنا تم اٹھا سکتے ہو یعنی انسان جتنے بوجھ کا متحمل ہو سکے اتنا ہی اس پر ڈالنا چاہیئے، یہی حکمت کا بھی تقاضا ہے۔

شرطِ چہارم تثلیث مطلب:- یعنی واعظ اپنے موعظہ کا تین جُزو قرار دے کر آگے بڑھے۔

جُزو اول :- مطالب عالیہ کو قرار دے۔

جزو ثانی :۔ متوسط درجہ کا رکھے۔

جزو ثالث :۔ کو سہل اور آسان رکھے تاکہ ہر صنف کے لوگ سمجھ سکیں اس لئے کہ مجلس وعظ میں ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں، اگر کل مشکل مطالب بیان کئے جائیں گے تو پھر کم علم لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ موعظہ کا فائدہ مفقود ہو کر رہ جائے گا۔

شرائطِ واعظ

سب سے پہلی شرط اخلاصِ نیت یعنی خلوص ہو، ریا اور دکھاوے کا شائبہ نہ پایا جائے اور جو کچھ بیان ہو وہ سب محض ہمدردیٔ بنی نوعِ انسان کی غرض سے، اور تقربِ الٰہی کے لئے ہو جب ایسا ہو گا تب اس کا اثر بھی لوگوں کے دلوں پر پڑے گا۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد"، اور عربی بھی مثل ہے! "اَلْمَوْعِظَۃُ اِذَا نَشَأَتْ مِنَ الْقَلْبِ دَخَلَتْ فِی الْقَلْبِ وَ اِذَا نَشَأَتْ مِنَ اللِّسَانِ لَا یَتَجَاوَزُ الْاٰذَانَ"، یعنی جب موعظہ دل سے نکلتا ہے تب دل میں داخل ہوتا ہے اور اگر محض زبان سے نکلتا ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ فی زمانہ موعظہ کے زبانوں

تک محدود ہونے کی وجہ سے قوم بے عمل ہوتی جارہی ہے
حالانکہ خداوند عالم نے انسان کو ایک آب وگِل سے
پیدا کیا ہے چونکہ ضمیر طبعی سب کا ایک ہے۔ اس وجہ سے ایک
کو دوسرے سے ایک طرح کا ربطہ ضروری ہے جیسے زنجیر کی
کڑیاں کہ ایک کے ہلانے سے دوسری کڑیاں ہل جاتی ہیں۔
اسی طرح جو بات ایک دل میں ہوتی ہے اسی طرح اس کا ونسط
اثر دوسرے کے دل میں بھی پڑتا ہے اور اگر اس قول کا اثر
دل میں نہیں ہے تو ہرگز دوسرے پر بھی کچھ اثر نہ کرے گا۔

دوسری شرط واعظ

یعنی بیان کرنے والے میں لالچ نہ ہو مقصد یہ ہے
کہ جو کچھ بیان کر رہا ہے، اس میں یہ غرض نہ رہے کہ ہم کو
اس بیان سے کچھ مالی فائدہ ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص مالِ
دنیا کی لالچ میں بیان کرے گا، اس کی غرض وغایت
صرف اتنی ہی ہوگی کہ عوام خوش ہو جائیں اور اپنے کو کچھ
حاصل ہو جائے، جب تک ایسا خوش کن خیال اس کے
دل سے الگ نہ ہوگا، اس وقت تک سننے والوں پر صرف
ظاہری ہی اثر پڑتا رہے گا۔ اور کسی کو بھی اہمیت موعظہ

یا بیان کی قدر و قیمت کا احساس تک نہ ہوگا۔

تیسری شرط واعظ

واعظ کا فرض ہے کہ خود بھی ان اوصاف سے متصف ہو جن اوصاف کا حکم لوگوں کو دے رہا ہو۔ یعنی جیسا کہے ویسا عمل بھی کرے۔ اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ کا مصداق نہ ہو کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور خود اپنے ہی نفس سے غافل اور بے پرواہ ہو، ایسے لوگوں کی خداوند عالم نے مذمت کی ہے اور فرمایا ہے:۔ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِہِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ۔ یعنی یہ لوگ ایسی باتیں منہ سے کہتے ہیں کہ جن کا اثر خود ان ہی کے دلوں میں بالکل نہیں ہے پھر فرماتا ہے کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ بڑی ناراضی خداوند عالم کی اس امر میں ہے کہ تم منہ سے وہ بات کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ واعظ کو عالم باعمل ہونا چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے: اَشَدُّ النَّاسِ حَسْرَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ وَصَفَ عَدْلًا ثُمَّ عَمِلَ بِغَیْرِہٖ۔ یعنی بڑی حسرت

وا فسوس ان لوگوں کو قیامت کے دن ہوگی جو بیان کریں اچھی باتیں اور خود اس پر عمل نہ کریں یعنی زبان سے عدالت کے اوصاف کو بیان کیا اور خود ظلم کو اپنایا۔

مذمت عالم بے عمل

کتاب مصباح الشریعۃ میں مروی ہے:۔ قَالَ عَیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا وآلہٖ وعلیہ السلام رأیت حجراً علیہ مکتوبٌ من لا یعمل بما یعلم مشؤمٌ علیہ طلب مَا لا یعلم وَمَرْدُودٌ علیہ۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا کہ جو کوئی اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، وہ بدبخت ہے ایسے کو علم حاصل کرنا مردود ہے۔

نیز مروی ہے:۔ قال اوحی اللّٰہ اِلیٰ داؤدؑ ان اھون ما انا صانع بعالم غیر عامل بعلمہ اشد من سبعین عقوبۃ باطنۃ ان اخرج من قلبہ حلاوۃ ذِکری۔

یعنی خدا نے وحی کی جناب داؤدؑ پر کہ آسانی سے آسان سزا جو میں عالم بے عمل کو دوں گا وہ ایسی ہوگی

جو بشر باطنی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے یعنی وہ یہ ہے کہ میں اس کے قلب سے اپنے ذکر اور یاد کی حلاوت و شیرینی کو نکال دوں گا۔

اللہ اکبر کتنی بڑی بات فرمائی ہے غور کیجئے کہ خدا کی یاد میں جو واقعی ذائقہ ہے اس کو تو ان ہی لوگوں کا دل جانتا ہوگا جو اس میں مشغول رہتے ہیں، لیکن کبھی کبھی جو معمولی انسان کے دل میں بھی آجاتا ہے وہ بھی عجیب ذائقہ ہے، پھر کیسا بدبخت ہوگا وہ شخص جس کے دل سے خداوند عالم اپنے یاد کی حلاوت کو نکال دے اور پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جس چیز میں کوئی حلاوت و شیرینی نہیں ہوتی، انسان اسے اختیار نہیں کرتا بلکہ نفرت کرتا ہے کیونکہ جب اس کو یاد خدا میں حلاوت ہی نہ ملے گی تو وہ کیوں یاد کرے گا اور جب وہ یاد خدا ترک کر دے گا تو ظاہر ہے کہ وہ شکار مصائب و آلام و بلاہائے کثیرہ ہوگا، اس لئے کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ کوئی پرندہ بھی شکاری کے ہاتھ نہیں آتا اور جال میں نہیں پھنستا جب تک کہ یاد خدا میں مصروف رہتا ہے۔

وقال علیہ السلام اَنَّ العالمَ اذالم یعلم بعلمہ نزلت موعظتہ عن القلوب کما یزل

المطر على الصفا۔

یعنی عالم جب اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو اس وقت کا موعظہ بھی دلوں سے اسی طرح پھسل جاتا ہے جیسے چکنے چٹان سے پانی۔

قال حکیم لرجل یستکثر من العلم ولا یعمل بہ اذا افنیت عمرک فی جمع السلاح فمتی تقاتل۔

ایک حکیم نے ایک ایسے شخص سے جو علم بکثرت حاصل کرتا تھا مگر عمل نہ کرتا تھا خوب کہا کہ جب تو ساری عمر اپنے سلاح کے جمع کرنے میں صرف کر دے گا تو جنگ کب کریگا۔

لیکن عوام کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ عالم سے مراد صرف وہی شخص نہیں ہے جس نے درسیات کو باقاعدہ پڑھ لیا ہو اور مولوی صاحب اور مولانا صاحب کہا جاتا ہو بلکہ عالم ہر وہ شخص ہے جو کوئی چیز بھی جانتا ہو۔ لہٰذا ان حدیثوں کے مصداق صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو ان لقبوں مولوی و مولانا سے پکارے جاتے ہیں۔ بلکہ ہر فرد انسان جن تک احکام خدا اور وعد و وعید خدا پہونچے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ فلاں امر حرام ہے اور فلاں حلال ہے وہ بھی عالم کہا جائے گا۔ یعنی جیسے شراب کی حرمت کا چغلخوری کے ناجائز

ہونے کا علم ہے۔ وہ بھی عالم ہے یہ کہہ کر نہیں نکل سکتے کہ ہم تو عوام الناس ہیں یہ خیالِ عوام غلط ہے، عالم ہیں عوام بھی شامل ہیں، اس لئے کہ اچھے بُرے، حلال و حرام اندازات الٰہیہ سے حسب حیثیت واقف ہونے والا بھی عالم ہے۔ اگر احکامِ الٰہیہ کے جاننے کے بعد بھی عوام احکام شرعیہ پر عمل نہیں کرتے تو ان کی بھی وہی گت بنے گی کہ قیامت کے دن ان کی بدبو سے اہلِ جہنم پریشان ہوں گے۔ اس دن انہیں سخت حسرت ہوگی، افسوس ہوگا کہ کاش ہم اپنے علم پر عمل کرتے اور آج ہمیں یہ بُرا دن نہ دیکھنا پڑتا۔

اولاً تو طلب علم اس لئے واجب ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے:۔ طلبُ العلم فریضۃ علیٰ کلِّ مومنٍ و مومنۃ ہر صاحب اسلام مرد اور عورت پر تحصیلِ علم واجب ہے جب علم حاصِل کر چکے تو عمل کرے ورنہ فرض خدا سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے خداوند عالم فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

اے ہمارے رسول ہمارے ان بندوں کو بشارت

دے وہ جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔

شرائط سامعین وعظ و بیان

نفس موعظہ اور واعظ کے شرائط گذشتہ صفحات پر بیان ہو چکنے کے بعد سامعین کے حالات و خیالات کو بھی بیان کرنا ضروری ہے تاکہ طرفین کی ذمہ داریاں واضح و روشن ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں تجربہ شاہد ہے کہ عموماً لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جو مجالسِ وعظ و بیان میں صرف دل بہلانے کی غرض سے شریک ہوتے ہیں ان کو کچھ اس سے بحث نہیں کہ واعظ یا ذاکر کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے گھنٹہ بھر تک دماغ سوزی کی مگر سننے والے صاحب نے ایک حرف بھی نہ سمجھا۔

۲۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو مجلس وعظ و بیان میں اس لئے شریک ہوتے ہیں کہ واعظ و ذاکر کی تقریر کا

اندازہ کریں کہ کیسا خوش بیان یا بذلہ سنج ہے۔ اگر وہ اچھا لطیفہ گو ہے تو تھوڑی دیر تک اس کے بیان سے صرف لطف اٹھا لیا اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

۳۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو وعظ کو سنتے تو ضرور ہیں مگر کسی کے دباؤ اور لحاظ سے مگر دل اس بیان کے سننے کو قطعاً گوارہ نہیں کرتا ایسے لوگ بھی موعظہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مگر ہم یہاں چوتھی قسم کے لوگوں کا بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ان تین قسم سے الگ لوگوں کی طبیعت کا پتہ لگ جائے یہ وہ لوگ ہیں جن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ ہم احکام الٰہی اور تعلیمات اسلام کو جب واعظ و ذاکر کی زبانی معلوم کریں تو ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی لوگ وہ ہیں جو پروردگار عالم کے اس کلام کے مصداق ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُو الْاَلْبَابِ۔

یعنی اے ہمارے رسول بشارت دے دو ان لوگوں کو جو بات کو سن کر اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں، یہی

لوگ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ عاقل بھی ہیں۔

انسان بیکار نہیں پیدا ہوا ہے

آیت بالا سے واضح ہو چکا کہ عقل کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ انسان باتیں سننے اور ان نیک باتوں پر عمل کرے بیان سن کر عمل نہ کرنا عقلمندی نہیں بلکہ بے عقلی اور بے وقوفی و سفاہت ہے۔

کیونکہ عقل کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو جو چیز دی گئی ہے اس سے فائدہ اٹھائے مثلاً اگر کسی کے پاس عالیشان مکان ہوں مگر وہ جھونپڑی میں رہتا ہو، یا بہت قیمتی لباس ہوں اور وہ ہمیشہ ایک بوسیدہ لنگی باندھے رہتا ہو بہت سے روپئے پیسے اس کے پاس ہوں مگر وہ ہمیشہ معمولی غذاؤں پر اکتفا کرتا ہو۔ انواع و اقسام کے فرش اس کے پاس ہوں مگر بوریئے پر بیٹھتا ہو۔ اور وہ سب چیزیں فضول طور پر ضائع و برباد ہوتی ہوں تو ایسا شخص ہرگز ہرگز عقلمند نہیں کہا جا سکتا بلکہ محض بے عقل و سفیہہ سمجھا جائے گا کہ سب کچھ ہونے

ہوئے بھی خود استعمال نہیں کرتا۔ اور دوسروں کو بھی
استعمال کا موقع نہیں دیتا۔

اسی طرح وہ شخص جس کو خدا نے ہاتھ پاؤں دیئے
کان دیا، آنکھیں عطا کیں، عقل مرحمت فرمائی۔ قلب
عنایت کیا۔ اِن سب سے اگر کام نہیں لیتا اور ان کو
ایسے مصرف میں صرف نہیں کرتا جس سے اس کو فائدہ
پہونچے تو اس سے زیادہ بے وقوف کون ہو سکتا ہے؟

اب رہا یہ جواب، کہ ہم اسے صرف تو ضرور کرتے ہیں
ہاتھ سے روٹی توڑتے ہیں، پاؤں سے بیت الخلاء جاتے
ہیں، زبان سے اپنے دنیاوی ضرورت کی باتیں کرتے
ہیں، کان سے اپنے ضروریات دنیویہ کو سنتے ہیں۔
دل سے فکر معاش کرتے ہیں۔ ہاتھ سے محنت مزدوری
کرتے ہیں، پاؤں سے طلب معاش میں جاتے ہیں۔ لہذا
یہ اعضاء بیکار نہ گئے۔ تو ہم کہیں گے کہ فی الحقیقت
یہ اعضاء صرف اسی کام کے لئے نہیں بنائے گئے تھے جو
محض فانی اور غیر معتبر ہو۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے
کہ انسان جیسا اشرف المخلوقات صرف کھانے پینے اور
سونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو انسان

کو عبث پیدا کیا گیا کیونکہ اتنے کے لئے تو اور بہت سے دیگر حیوانات موجود ہی تھے پھر انسان جیسی مکمل ہستی با ادراک صاحب عقل و ہوش پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، حالانکہ پروردگار عالم فرماتا ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ط کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار اور عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔

یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو چلتے پھرتے بھی تھے، کھاتے پیتے بھی تھے، تحصیل معاش بھی کرتے تھے پھر کیوں عبث ہوئے۔

یاد رہے عبث فرمانا اسی بنا پر ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم کسی مہتم بالشان کام کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی عبادت کرے جیسا کہ خود اعلان قرآن ہے! مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ. میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں معلوم ہوا کہ یہ تمام اعضا و جوارح اور عقل و ہوش اور ادراک وغیرہ صرف معرفتِ خدا حاصل

کرنے اور عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور یہی ان
کی غرض و غایت ہے۔ اب جو شخص اپنے ان اعضاء سے
یہ کام نہیں لیتا وہ ان کو بیکار ضائع و برباد کر رہا ہے
اور جو شخص اپنی کسی چیز کو جس سے کوئی معقول کام لیا
جا سکے، بیکار ضائع کرے وہ احمق اور بے وقوف ہے
جیسا کہ ہم نے سابقاً بیان کیا کہ جو شخص بیان سن کر عمل
نہ کرے وہ بے وقوف اور سفیہ ہے۔ اس کے مقابل جو
مواعظ و حکم و بیان سن کر عمل کرتا ہے وہی عاقل ہے
یہی مطلب خداوند عالم کے اس کلام کا بھی ہے، اُولٰئِكَ
الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰئِكَ هُمْ اُولُو الْاَلْبَابِ
یعنی یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ
صاحبانِ عقل ہیں۔

عقل کی تعریف

دنیا میں اگرچہ عقل کا دعویٰ کرنے والے بہت ہیں
بلکہ تقریباً ہر شخص مدعی عقل ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ
آج کل دنیا کے معاملات میں زیادہ تر مستغرق ہیں وہ
زیادہ تر عاقل اور سمجھدار کہے جاتے ہیں لیکن فی الحقیقت

وہ شخص عاقل نہیں بلکہ انتہائی درجہ کا بے وقوف ہیں۔

وجہ استدلال

یہ ہے کہ معصوم علیہ السّلام سے کسی نے پوچھا، مَا الْعَقْلُ کیا شئی ہے۔ قَالَ مَا عُبِدَ بِہٖ الرَّحْمٰنُ وَاکْتُسِبَ بِہٖ الْجِنَانُ۔ عقل وہ ہے کہ جس سے بڑے رحم کرنے والے خدا کی عبادت کی جائے اور جس سے جنت حاصل کی جائے۔

راوی کہتا ہے تب میں نے حضرت سے پوچھا فَالَّذِیْ کَانَ فِیْ مُعَاوِیَۃ پھر آپ اسے کیا کہیں گے جو معاویہ میں تھی جس کو بہت بڑا عاقل کہا جاتا تھا۔ فَقَالَ تِلْکَ النُّکْرَاءُ تِلْکَ الشَّیْطَنَۃُ وَھِیَ شَبِیْھَۃٌ بِالْعَقْلِ وَلَیْسَ بِالْعَقْلِ۔ امام نے فرمایا اس کا نام نکراء اور شیطنت ہے یہ مشابہ عقل ضرور ہے مگر عقل نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مختلف انواع واقسام کی چیزیں ایجاد کرکے ان سے فائدہ اٹھانا اور لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو کر اور ان پر ظلم و جور کرکے حکومت کرنا عقل نہیں ہے کیونکہ ایجادات سے ہرگز جنت حاصل نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ایجاداتی

امور عبادات خدا میں داخل بھی نہیں ہیں۔ لہذا صفت شیطنت کا نام نکراء ہے عقل نہیں ہے۔

معیار عقل مذہب ہے

اسحاق ابن عمار نے جناب صادق آل محمدؑ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مَنْ کَانَ عَاقِلاً کَانَ لَہٗ دِیْنٌ وَمَنْ کَانَ لَہٗ دِیْنٌ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ یعنی جو عاقل ہوگا وہ دیندار بھی ہوگا جو دیندار ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ — "معیارِ عقل مذہب ہے" اگر آدمی دین رکھتا ہے تو وہ عاقل ہے کیونکہ اس نے اپنے اعضاء و جوارح کو صحیح مصرف میں صرف کیا، جس سے جنت میں داخل ہوا، اور جو لوگ اپنے جوارح و اعضاء اور عقل و ادراک کو صحیح مصرف میں صرف نہیں کرتے اگرچہ لوگ ان کو عاقل کہتے ہیں مگر وہ عاقل نہیں ہیں بلکہ شیطان ہیں کیونکہ عقل کا دارومدار دینداری اور حصول جنت ہے

اگر کوئی شخص لوگوں کی نگاہوں میں بڑا عاقل ہے مگر وہ بظاہر ایسا کوئی کام کرے جس سے وہ آگ میں جل جائے مثلاً پہلے اپنے گرد اگرد لکڑی جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑک دے پھر اس میں آگ لگا دے۔ اور وہیں

کھڑا رہے یہاں تک کہ آگ مشتعل ہو کر اس کے تمام جسم کو جلا دے تو ایسے آدمی کو ہرگز عاقل نہیں کہا جائیگا۔

اسی طرح ایک بہت بڑے سائنسداں ایٹم بم بنانے والے کو جب آپ دیکھتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں وہ ایسے بھی کام کر رہا ہے جس کا مآل اور نتیجہ دوزخ میں جلنا ہے وہ یقیناً موت کے بعد جہنم کا ایندھن بنے گا تو کیا ایسے شخص کو عاقل کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

مدار عقل

خلاصہ کلام یہ کہ عقل کا دارو مدار جنت کے حاصل کرنے پر ہے، جو شخص جتنا بھی جس قدر بھی بلند و اعلیٰ وارفع درجہ بہشت میں حاصل کر سکے وہی زیادہ عاقل ہے اس میں نہ دنیاوی کوششوں اور سائنس دانی کا دخل ہے اور نہ بہت عبادت ہی کرنے کا دخل ہے اس لئے کہ بہت سے عبادت گذار بھی ایسے ہی ہوں گے جو آتشِ جہنم میں داخل کئے جائیں گے بہت سے ایسے ہوں گے کہ جنت میں داخل تو ہوں گے مگر وہاں کے مدارج عالیہ میں سے ان کو بہت کم حصہ دیا جائیگا۔ مثلاً ایک شخص شب و روز عبادت کرتا ہی مگر محض لوگوں کے دکھلانے کے لئے یا بہت عبادت کرتا ہے مگر صرف اس لئے کہ لوگ اس کو عابد سمجھ کر اس کے دامِ فریب میں آجائیں جس سے اسے دنیا حاصل ہو یا اس لئے بہت عبادت کرتا ہے کہ اپنے آپ کو بڑا عابد سمجھتا

ہے حالانکہ وہ بالکل ہی اپنی عبادت سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا، یا جو کوئی

بلا معرفت عبادت کرتا ہے اس کی عبادت سے اتنا تو ضرور فائدہ ہوگا کہ جنت

میں داخل ہوگا مگر مدارج عالیہ سے محروم رہے گا چنانچہ صادق آل محمدؐ سے سلیمان دیلمی

نے روایت کی ہے کہ ایک روز میں نے خدمت امام میں عرض کیا کہ فلاں شخص بڑا عابد و

دیندار اور صاحب فضل ہے آپ نے پوچھا اس کی عقل و معرفت کیسی ہے میں نے جواب دیا

لَا اَدْرِیْ یہ میں نہیں جانتا تب امامؑ نے فرمایا ہے اِنَّ الثَّوَابَ عَلٰی قَدْرِ الْعَقْلِ، ثواب

تو بقدر عقل و معرفت ہی ملے گا، نیز رسول اسلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا:- اِنْ بَلَغَکُمْ

عَنْ رَجُلٍ حُسْنُ حَالٍ فَانْظُرُوْا اِلٰی حُسْنِ عَقْلِهٖ فَاِنَّمَا یُجَازٰی بِعَقْلِهٖ - اگر تم کو کسی

کے اچھے حال کی خبر معلوم ہو تو بہت زیادہ خوش نہ ہونا بلکہ اسکی معرفت و عقل کو دیکھو

کہ وہ کیسی ہے کیونکہ آدمی کو جزا بقدر اس کے عقل کے دی جاویگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حصول ثواب اور دخول جنت کا دارومدار

معرفت و عقل پر ہی ہے پس دنیا میں بڑا عاقل وہی ہے جو اس زندگی میں

رہ کر بہت زیادہ ثواب حاصل کرے اور جنت کے بڑے درجات کا حق

پیدا کر سکے۔ عاقل وہ نہیں ہے جو بہت سے روپئے پیدا کرے کہ کروڑوں کا

مالک ہو، بہت سا فلسفہ و حکمت پڑھا ہوا ہو، یا بہت کچھ احادیث و قرآن کی

باتیں جانتا ہو، کیونکہ صرف یہ باتیں آخرت میں کچھ کام نہیں آ سکتیں

اگر کام آ سکتا ہے تو عمل اور عمل بھی وہ جو معرفت کے ساتھ ہو۔

فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حصّہ اوّل

مولانا تفضل مہدی صدر الافاضل واعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ناشر

دار الاشاعت انجمن مظلومیہ

پورہ معروف، اعظم گڈھ

السبیل

(حصہ اول)

مولانا تفضل مہدی صدر الافاضل واعظ
مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ناشر:
دار الاشاعت انجمن مظلومیہ
پورہ معروف - اعظم گڈھ - یوپی۔
قیمت: ایک روپیہ

ہندوستان کا واحد مرکز تبلیغ اسلام

ادارہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

۱۹۱۹ء سے نہایت تندہی اور جانفشانی سے

سرگرم تبلیغ اسلام ہے

(متولی منتظم)

عالیجناب سرکار مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں صاحب دام اقبالہ

اپنی پوری توجہ اور کوشش سے

آگے بڑھا رہے ہیں

آپ بھی متوجہ ہوے